بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡد

غلام مسیح الزماں کی اِلہامی تصویر

”وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا۔اوردل کا حلیم۔اورعلوم ظاہری وباطنی سے پر کیا جائے گا۔اوروہ تین کو چار کرنیوالا ہوگا۔(اسکے معنی سمجھ میں نہیں آئے)
دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔فرزند دلبند گرامی ارجمند۔مَظۡھَرُ الۡاَوَّلِ وَالۡاٰخِرِ۔مُظۡھَرُ الۡحَقِّ وَالۡعَلَآءِ کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔“

سقراط اپنے دور کا ایک عظیم مصلح تھا۔اُس نے نہ صرف مذہب بلکہ علمی دنیا میں بھی کافی اصلاحی کام کیا تھا۔اہل یونان نے غلطی سے اُسے سوفسطائی سمجھا حالانکہ وہ توسوفسطائیوں کا زبردست نقاد تھا۔ہر مصلح کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے دور کے غلط افکار ونظریات (خواہ یہ مذہبی ہوں یا علمی) کی ٹھوس بنیادوں پر اصلاح کر کے حق اور سچ کو جھوٹ پر غالب کر دکھائے۔اور یہ کام سقراط نے بخوبی سرانجام دیا۔بلاشبہ وہ ہمہ گیر تعقل یا تصور(Universal definition)اور استقرائی طریقہ کار(Inductive method)کا بانی تھا۔یہ بھی واضح رہے کہ ممکنہ طور پر علم کے دو نظریات ہی ہو سکتے ہیں۔(اولاً) یہ کہ علم کیا ہے یعنی اِس کی ماہیت کیا ہے؟اور(ثانیاً) یہ کہ اس کو کس طرح جانا یا حاصل کیا جا سکتا ہے؟سقراط نے بجاطور پر اپنے نظریات (نیکی علم ہے اور سب علم تصورات کے ذریعہ ملتا ہے) میں اِنہی سوالات کے جوابات دیئے ہیں۔لیکن علم وحکمت کی دنیا کا یہ ایک عجیب المیہ ہے کہ سقراط کے بعد اُس کے نظریات کو غلط طور پر سمجھا گیا اور اِن کی غلط طور پر تشریح کی گئی۔

”نیکی علم ہے“ سقراط کا نظریہ علم تھا کیونکہ اس میں علم کی ماہیت بیان کی گئی ہے۔سقراط کے بعد غلطی سے اس نظریہ علم کو ایک اخلاقی نظریہ سمجھ لیا گیا۔اب سوال ہے کہ کیا اپنے اس نظریہ علم(Virtue is Knowledge)میں کیا سقراط نے لفظ ”نیکی“ کو بطور نیک فعل استعمال کیا تھا؟ایسا ہرگز نہیں ہے۔جیسا کہ پروفیسر ڈبلیو۔ٹی۔سٹیس اپنی انگریزی کتاب یونانی فلسفہ کی تنقیدی تاریخ کے صفحہ ۱۴۷ پر رقمطراز ہیں۔

"Socrates believed that a man cannot act rightly, unless he first knows what is right, unless, in fact, he knows the concept of right."(A critical History of Greek Philosophy by W.T. Stace-P,147)

سقراط کو یقین تھا کہ انسان نیک فعل نہیں کر سکتا جب تک وہ پہلے یہ نہ جانے کہ نیکی کیا ہے، جب تک درحقیقت وہ نیکی کا تصور نہ جانے؟

ان الفاظ سے واضح ہے کہ سقراط نے نیکی کی اصطلاح بمعنیٰ ”نیک فعل“ استعمال نہیں کی تھی۔اورمزید یہ کہ وہ نیکی کا تصور جاننے میں دلچسپی رکھتا تھا۔وہ ایک عام انسان نہیں تھا بلکہ اپنے وقت کا دانشمند ترین انسان تھا اور کم ازکم اس سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ اس نے نیکی کی اصطلاح کو عام فہم میں استعمال کیا ہوگا۔سقراط بذات خود ہمیشہ ”نیکی کی ماہیت“ کے بارے میں خاموش رہا ہے۔اس سلسلہ میں اُس نے ہماری صرف اتنی راہنمائی کی ہے کہ نیکی اور علم ایک ہی شئے یا وجود کے دو نام ہیں وبس۔سقراط کی اس راہنمائی میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ نیکی کو جاننے کیلئے علم کا جاننا ضروری ہے کیونکہ علم ہی نیکی ہے۔مزید برآن وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ”نیکی“ کا علم انسان عقل اور کوشش کیساتھ حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اُسکی رحمت ہے۔وہ جسے چاہے اپنا یہ فضل اور رحمت بخش دیوے۔اس سلسلہ میں سقراط اور مینو کا درج ذیل مکالمہ ملاحظہ فرمائیں۔

SOCRATES. I can't help that. We will talk to him some other time. If all we have said in this discussion, and the questions we have asked, have been right, virtue will be acquired neither by nature nor by teaching. Whoever has it gets it by divine dispensation without taking thought, unless he be the kind of statesman who can create another like himself. Should there be such a man, he would be among the living practically what Homer said Tiresias was among the dead, when he described him as the only one in the underworld who kept his wits - 'the others are mere flitting shades'. Where virtue is concerned such a man would be just like that, a solid reality among the shadows.

MENO. That is finely put, Socrates.

SOCRATES. On our present reasoning then, whoever has virtue gets it by divine dispensation. But we shall not understand the truth of the matter until, before asking how men get virtue, we try to discover what virtue is in and by itself.

(Protagoras and Meno translated by W.K.C. Guthrie P.156-157)

’’سقراط:۔ میں اسکی مدد نہیں کرسکتا۔ہم کسی دوسرے وقت میں اس سے بات کریں گے۔اگر وہ سب جو ہم نے اس بحث میں کہا ہے اور سوالات جو ہم نے پوچھے ہیں،ٹھیک ہیں تو نیکی کا علم نہ تو فطری طور پر اور نہ ہی بذریعہ تعلیم حاصل کیا جاسکے گا۔جس کسی نے بھی اِسے حاصل کیا بغیر غور وفکر کے فضل اِلٰہی کے طور پر حاصل کیا۔جیسے نہ کہ وہ ایک سیاستدان کی طرح جو اپنی طرح کا ایک اور پیدا کرسکتا ہے۔اگر کوئی ایسا شخص ہے تو پھر اس کو زندہ لوگوں میں ایسے کہنا پڑے گا جیسا کہ ہومر (Homer) نے کہا ہے کہ مرے ہوئے لوگوں میں ٹائرسیاس (Tiresias) اور صرف اسی کو پتہ چلتا ہے کہ وہ ہے’’ جبکہ دوسرے اُڑتے ہوئے سائے ہیں‘‘۔ جہاں تک نیکی کے علم کا تعلق ہے تو ایسا شخص بالکل اس جیسا ہوگا جس طرح سایوں کے درمیان ایک مجسم حقیقت۔

مینو:۔سقراط نے یہ عمدگی کیساتھ بیان کیا ہے۔

سقراط:۔ ہمارے موجودہ استدلال سے پھر جس کسی نے بھی نیکی کا علم پایا اِسے یہ فضل اِلٰہی کے طور پر ملا۔لیکن ہم اس معاملہ کی سچائی کو اس وقت تک نہیں سمجھیں گے جب تک ہم یہ نہ پوچھیں کہ لوگوں نے نیکی کا علم کیسے حاصل کیا۔ہم یہ دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بذات خود نیکی کی ماہیت کیا ہے۔‘‘

بعض لوگوں نے تعصب سے یہاں تک کہا ہے کہ عاجز نے جو’’نیکی‘‘ کا تصور پیش کیا ہے۔اِسکی کوئی اہمیت نہیں۔حالانہ اگر وہ فلسفہ کی تاریخ کا تھوڑا بہت مطالعہ کرتے تو یہ بات اُن کے منہ سے نہ نکلتی۔افسوس ہے تعصب انسان کو اندھا کردیتا ہے۔سقراط نے جس’’نیکی‘‘ کو علم سے تشبیہ دی تھی اس کا تصور کتنا اہم ہے اس کا اندازہ عام انسان نہیں کرسکتا۔پروفیسر ڈبلیو۔ٹی۔سٹیس اپنی متذکرہ بالا کتاب کے صفحہ ۱۴۹ پر لکھتے ہیں۔

But as, for Socrates, the sole condition of Virtue is knowledge, and as knowledge is just what can be imparted by teaching, it followed that virtue must be teachable. The only difficult is to find the teacher, to find someone who knows the concept of virtue. What the concept of virtue is that is, thought Socrates, the precious piece of knowledge, which no philosopher has ever discovered and which, if it were only discovered, could at once be imparted by teaching, where upon men would at once become virtuous.

("A critical History of Greek Philosophy" by W.T. Stace -P,149)

’’لیکن جیسا کہ سقراط کیلئے نیکی کی تنہا شرط اِس کا علم ہونا ہے اور جیسا کہ علم قطعی ہے جس کو بذریعہ تعلیم سکھایا جاسکتا ہے۔اِس سے معلوم ہوا کہ نیکی بھی قابل تَعلُّم ہونی چاہیے۔مشکل صرف یہ ہے کہ کسی معلم کو ڈھونڈا جائے جو نیکی کے تصور کو جانتا ہو۔نیکی کا وہ تصور جسے سقراط نے سوچا اور جو علم کا اَنمول جز ہے جس کو کسی مفکر نے آج تک دریافت نہیں کیا اور اگر کبھی وہ دریافت ہوگیا تو فوراً اُسے پڑھایا جائے گا اور اس طرح انسان فوراً نیک ہوجائیں گے۔‘‘

نیکی کے تصور کی اہمیت اجاگر کرنے کے بعد ہم آگے چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ سقراط اپنے تعقلات یا تصورات (concepts) کس طرح بناتا تھا؟ اس کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ عام افعال کی امثال لے کر ان میں مشترک خاصیت ڈھونڈ کر اِسکی بنیاد پر اپنا تصور تشکیل دیتا تھا۔عام طور پر جہاں ایک معمولی ذہن رکھنے والے شخص کو کچھ نظر نہیں آتا وہاں ایک غیر معمولی ذہین شخص کو عجیب وغریب اِشارے مل جاتے ہیں گویا جس طرح اُسے الہام ہوجاتا ہے۔سرآئزک نیوٹن (Isaac Newton/1643-1727) نے ایک سیب کو گرتے دیکھا۔نیوٹن سے پہلے اور بعد میں بھی انسانوں نے یہ واقعہ بیشمار مرتبہ دیکھا ہوگا۔لیکن نیوٹن کو اس معمولی واقعہ سے ایک ایسا اِشارہ ملا جس کی بنیاد پر اس نے کشش ثقل کا ایک بہت بڑا قانون (Law of Gravitational Force) دریافت کرلیا۔اسی طرح چارلس ڈارون (Charles Darwin/1809-1882) کو مختلف حیوانات کی مشابہت میں ایک اشارہ ملا جس سے اس نے نظریہ ارتقاء (Theory of Evolution) کو تشکیل دیا۔اپنی روزمرہ زندگی میں ہم اپنے عمومی افعال (کھانا، پینا، لکھنا، سونا وغیرہ) کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اِن کو اہمیت نہیں دیتے حالانکہ امرواقع یہ ہے کہ بہت ساری سچائیاں ہمارے ان عمومی افعال میں پوشیدہ ہیں۔ضرورت صرف توجہ

کی ہے۔بلاشبہ سقراط کا طریقہ استدلال بھی ایسا ہی تھا۔ڈبلیوٹی سٹیس لکھتے ہیں

"His method of forming concepts was by induction. He would take common examples of actions which are universally admitted to be prudent, and would attempt to find the quality which they all have in common, and by virtue of which they are all classed together, and so form the concept of prudence.Then he would bring up fresh examples, and see whether they agreed with the concept so formed. If not, the concept might have to be corrected in the light of the new examples."

(A critical History of Greek Philosophy by W.T. Stace-P,146)

''اُس (سقراط) کا تصورات بنانے کا قاعدہ بذریعہ استقراء تھا۔وہ افعال کی عام مثالیں لیتا جنہیں ہمہ گیر طور پر ہوشمند (Prudent) تسلیم کیا جاتا تھا۔اور اِن میں مشترک خاصیت ڈھونڈنے کی کوشش کرتا جس کی بدولت اِن سب کو ایک ہی قسم میں رکھا جاتا اور اس طرح ہوشمندی (Prudence) کا تصور تشکیل دیتا۔پھر وہ اور مثالیں لیتا اور دیکھتا کہ آیا یہ تشکیل دیئے ہوئے تصور کیساتھ پورا اُترتی ہیں۔اگر نہیں تو تصور کی نئی مثالوں کی روشنی میں اِصلاح کی جاتی۔''

آئیں اپنے افعال کی طرف توجہ کریں۔میں لکھ رہا ہوں اور یہ میرا لکھنے کا فعل ہے۔آپ پڑھ رہے ہیں اور یہ آپکا پڑھنے کا فعل ہے۔میں نے کیا لکھنا ہے یہ پھر میرے سوچنے کا فعل ہے؟۔آپ نے کیا پڑھنا ہے یہ پھر آپکے سوچنے کا فعل ہے؟اس سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر قسم کی مخلوق جو کائنات میں پائی جاتی ہے حتیٰ کہ بذات خود کائنات ایک فعلی یا حرکی حالت میں ہے یہ الگ بات ہے کہ بعض تخلیقی افعال کو ہم جانتے ہیں اور بعض کو نہیں۔اس منطقی نتیجہ کیساتھ ایک اور متعلقہ سوال پیدا ہوتا ہے۔کیا تمام افعال غائی (Objective) ہوتے ہیں یا بغیر غایت (Object) کے بھی کوئی فعل ممکن ہے؟میری عرض ہے کہ تمام افعال ہمیشہ غائی ہوتے ہیں اور کوئی فعل بغیر غایت کے ممکن نہیں۔غایت (Object) سے مراد وہ وجہ (cause) ہے جو متعلقہ فعل کو ممکن بناتی ہے۔مثال کے طور پر میں لکھ رہا ہوں۔اور میرے لکھنے کے فعل کی یقیناً کوئی غایت ہے اور یہ ہے اِس کی غایت تصنیف (objecting writting or cause of writting)۔اگر غایت تصنیف موجود نہ ہو تو پھر کسی کے لکھنے کا فعل بھی موجود نہیں ہو سکتا۔یہی حال آپکے پڑھنے کے فعل کا ہے۔آپ کا پڑھنے کا فعل بھی کسی غایت مطالعہ (objective reading) کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔یہ سب اس وجہ سے ہے کیونکہ فعل (action) اور غایت (object) جڑواں ہوتے ہیں اور ہمیشہ اکھٹے رہتے ہیں۔ایک کا وجود دوسرے کے وجود کا جواز پیش کرتا ہے۔یہ جاننے کے بعد کہ تمام افعال کا وجود انکی غایتوں کے وجود کا محتاج ہے ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم افعال کیوں سرانجام دیتے ہیں؟اس کا سادہ جواب یہ ہے کہ ہم اپنی ضرورت کی بدولت فعل سرانجام دیتے ہیں۔مثال کے طور پر میرے لکھنے کے فعل اور آپ کے پڑھنے کے فعل کی کوئی ضرورت ہوگی جس کی بدولت ہم یہ افعال سرانجام دے رہے ہیں۔جس طرح فعل اپنی غایت کا منطقی ثبوت ہے اسی طرح ضرورت بھی اس کا منطقی ثبوت ہے۔اگر فعل اور ضرورت دونوں موجود ہوں تو پھر یقیناً اُنکی غایت بھی موجود ہوگی۔اس بحث کی روشنی میں ہم درج ذیل تین نتائج پر پہنچتے ہیں۔

(اولاً) ضرورت اور فعل کے وجود اپنی غایت (object) کے وجود کا جواز پیش کرتے ہیں۔اگر ضرورت اور فعل دونوں موجود ہوں تو بلاشبہ اِنکی غایت بھی موجود ہوگی۔

(ثانیاً) ضرورت اور فعل دونوں بعد میں پیدا ہوتے ہیں جبکہ اِنکی غایت پہلے سے موجود ہوتی ہے۔

(ثالثاً) ضرورت اور فعل دونوں اپنی غایت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور اسکے محتاج ہیں جبکہ اِن کی غایت غنی (independent) ہے اور اپنے محمولات (predicates) کی محتاج نہیں ہوتی۔

ہم نے دیکھا کہ فعل اور ضرورت نے ہمیں درجہ بالا تین منطقی نتائج پر پہنچایا ہے۔اِنہی منطقی نتائج کی روشنی میں آئیں اب ہم عمل صالح یا نیک فعل پر غور کرتے ہیں۔نیک فعل بھی دیگر افعال کی طرح ایک فعل ہے۔ہم نیک فعل سرانجام دیتے ہیں کیونکہ ہم اپنے اندر اسکی ضرورت اور پیاس محسوس کرتے ہیں۔جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ ہر فعل کی کوئی غایت ہوتی ہے جو اس فعل کو ممکن بناتی ہے۔نیک فعل کے معاملہ میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس کی کوئی غایت نہ ہو؟ نیک فعل کا وجود صدیوں سے تسلیم شدہ ہے یقیناً اس کی بھی کوئی غایت ہوگی جو اس کو ممکن بناتی اور جس کی خاطر ہم ایسے نیک افعال سرانجام دیتے ہیں۔لہٰذا نیک فعل کے معاملہ میں بھی بالکل ویسے ہی نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں جیسے دوسرے مادی افعال کے معاملہ میں۔مثلاً۔

(۱)نیک فعل اور اسکی خواہش دونوں اپنی غایت (object) کے وجود کا جواز پیش کرتے ہیں۔اگر یہ دونوں موجود ہوں تو پھر یقیناً اِنکی غایت بھی موجود ہوگی۔

(۲)نیک فعل اور اِسکی خواہش دونوں بعد میں پیدا ہوئے جبکہ اِنکی غایت یقیناً پہلے سے موجود ہے۔

(۳)نیک فعل اور اِسکی خواہش دونوں اپنی غایت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور اِسکے محتاج ہیں۔جبکہ انکی غایت غنی ہے اور اپنے محمولات کی محتاج نہیں۔

اب ہمارے آگے اہم سوال یہ ہے کہ نیک افعال کی یہ غایت کیا ہے جسکی خواہش ہم اپنے اندر محسوس کرتے ہیں اور جس کیلئے ہم نیک افعال سرانجام دیتے ہیں؟ سقراتی قول یا نظریہ (Virtue is Knowledge) میں بھی ''نیکی'' کی اصطلاح بمعنی نیک فعل استعمال نہیں کی گئی بلکہ یہ کسی غائی (objective) مفہوم میں استعمال ہوئی ہے۔یہ غایت کیا ہے اور اِسکی تعریف کیا ہے؟ سقراط اِسکے بارے میں کلیتہً خاموش ہے۔ڈبلیوٹی سٹیس لکھتے ہیں۔

"So that, in spite of the fact that his whole principle lay in the method of definitions, Socrates, in fact, left his followers without any definition of the supreme concept of his philosophy, virtue. It was upon this point, therefore that the followers of Socrates disagreed. They all agreed that virtue is the sole end of life, but they developed different ideas as to what sort of life is in fact virtuous."

(A critical History of Greek Philosophy" by W.T. Stace-P,158)

''لہٰذا اِس حقیقت کے باوجود کہ اُس کا تمام اصول تعریفیں وضع کرنے میں مضمر تھا۔سقراط نے درحقیقت اپنے پیروٴکاروں کو اپنے فلسفہ کے اعلیٰ تصور نیکی کی تعریف کے بغیر چھوڑ دیا۔لہٰذا اِس نقطہ پر اُس کے پیروٴکاروں میں اِختلاف تھا۔وہ تمام اِس بات پر تو متفق تھے کہ نیکی زندگی کا واحد مقصد ہے۔لیکن کس قسم کی زندگی نیک ہے اِس بارے میں اُنہوں نے مختلف خیالات پیش کیے۔''

اس حوالہ سے دو باتیں ظاہر ہیں۔اوّل سقراط نے نیکی کی کوئی تعریف وضع نہیں کی اور بعدازاں اُسکے پیروٴکاروں نے اِسکی مختلف تشریحات پیش کیں ہیں۔دوم۔وہ سب اس بات پر تو متفق تھے کہ یہ اصطلاح جس مفہوم میں استعمال کی گئی ہے وہ انسانی زندگی کا واحد مقصد ہے۔یہ ''نیکی'' کیا ہے جو علم ہوتے ہوئے ہماری زندگی کا واحد مدعا ہے؟ اس سلسلہ میں خاکسار عرض کرتا ہے کہ سقراط نے یہ اصطلاح ''خیر'' کے مفہوم میں استعمال کی تھی۔اور یہ بلا شک وشبہ ''اعلیٰ انتہائی ہمہ گیر حق'' (Supreme Ultimate Universal Truth) ہے۔یہ تعریف یا تصور ہمیں ''اعلیٰ حق'' سے آگاہ کرتا ہے جس نے پوری کائنات کو نہ صرف ظاہر کیا بلکہ اس کا احاطہ بھی کیا ہوا ہے اور اسے پانا یعنی سمجھنا ہی ہماری زندگی کا واحد مقصد ہے۔جہاں تک اسکی ماہیت کا تعلق ہے تو واضح رہے کہ یہ نہ تو کوئی مادّی شئے ہے اور نہ ہی کوئی غیر مادّی چیز۔بلکہ یہ بذات خود علم اور حکمت ہوتے ہوئے مادّی اور غیر مادّی سچائیوں سے بالا ہے۔یہ ہر جگہ موجود ہے لیکن ہماری مادّی آنکھیں اس کو دیکھ نہیں سکتیں۔اِس نے ہر شئے کو تخلیق کیا ہے تاہم بذات خود تخلیق سے بالا ہے۔ہم اسے کسی شئے سے تشبیہ نہیں دے سکتے کیونکہ اَشیاء اس جیسی نہیں ہیں۔یہ حسن ہے اور محبت ہے اور ہر جگہ چمک رہا ہے۔ہماری آنکھیں جدھر دیکھتی ہیں ادھر وہی ہے۔

حسن بھی آپ ہیں عشق بھی آپ ہیں ۔ جس طرف دیکھئے آپ ہی آپ ہیں

حضرت مہدی و مسیح موعودؑ نے روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۵۲ پر اپنے منظوم کلام میں ''نیکی'' جسے سقراط نے علم قرار دیا تھا کتنی خوبصورت عکاسی کی ہے۔آپؑ فرماتے ہیں۔

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبداء الانوار کا ۔ بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بیکل ہوگیا ۔ کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمال یار کا

ہے عجب جلوہ تیری قدرت کا پیارے ہر طرف ۔ جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے تیرے دیدار کا

چشمہ خورشید میں موجیں تیری مشہود ہیں ۔ ہر ستارے میں تماشا ہے تیری چمکار کا

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہوگئے سو سو حجاب ۔ ورنہ تھا قبلہ تیرا رُخ کافر و دیندار کا

البرٹ آئن سٹائن (Albert Einstein/1879-1955) جسے کبھی ملحد کے نام سے پکارا گیا وہ بھی اسی حقیقت کا اس طرح اعتراف کرتا ہے۔

''وہ انتہائی حسین و ممتاز جذبہ، جس کا ہم تجربہ کرسکتے ہیں۔حقیقت میں صوفیائے کرام کا وجدانی تجربہ ہے کیونکہ یہی حقیقی سائنس کا سرچشمہ ہے۔جس شخص کو یہ جذبہ غیر مانوس اور اجنبی محسوس ہوتا ہے، جو شخص اس وجدانی کیفیت پر حیرت وعقیدت کا اظہار کئے بغیر کائنات کے خالق کی عظمت سے مرعوب ہوکر پہروں سرمستی اور بے خودی کی لذت سے لطف

اندوز نہیں ہوتا وہ حقیقت میں مردہ اور بے حس انسان ہے۔ یہ معلوم کرنا کہ جس شیئے کی گہرائی تک ہماری عقل و ادراک کی رسائی کا کوئی امکان نہیں، وہ شیئے حقیقت میں موجود ہے ، اور ہمارے شعور و قیاس سے ماوراء اپنی حکمت و دانش کو کائنات کے ذرّے ذرّے سے ظاہر کرتی ہے۔ وہ جگمگاتا ہوا حسن جسے ہماری سفلی صلاحتیں صحیح طور پر محسوس بھی نہیں کر سکتیں۔۔۔۔اس حقیقت کا صحیح ادراک اور اپنی کوتاہی کا عرفان، اپنی بے مائیگی کا یہی جلتا ہوا احساس حقیقی مذہب کا مرکز ہے۔'' (سائنس کا ارتقاء مصنف محمد سعید، صفحہ ۷۴۴، اشاعت اوّل دسمبر ۱۹۵۸ء قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور)

''اعلیٰ اِنتہائی ہمہ گیر حق'' سے ہمیں ''نیکی'' کا ایک اعلیٰ تصور ملتا ہے۔ یہ تعریف ایک ایسی ہستی کا پتہ دیتی ہے جس نے کل کائنات کو گھیرا ہوا ہے۔ ہر ذرّہ اپنی ہستی کیلئے اس کا محتاج اور اِسکی حکومت اور فرمان کا تابع ہے۔ اوّل (The First)، آخر (The Last)، ظاہر (The Manifest) اور باطن (The Latent) ''نیکی'' کے چار چہرے ہیں اور ہر چہرہ اپنے رنگ میں اِسکی خبر دے رہا ہے۔ نیکی حاضر و ناضر اور علیم و حکیم ہے۔ یہ مستقل اور غیر تغیر پذیر ہے۔ یہ انتہائی ہمہ گیر علّت ہے اور اعلیٰ ہے کیونکہ یہ بذات خود علّت کے بغیر اور علت العلل ہوتے ہوئے سب سے بالا ہے۔ سب اپنے وجود کیلئے نیکی کے محتاج ہیں جبکہ یہ غنی ہے کیونکہ اِسے اپنی ہستی اور بقا کیلئے کسی شیئے کی ضرورت ہے اور نہ کسی انسان کی۔ یہ ہر شیئے کو فنا کرتی تاہم خود لا فانی ہے۔ اگر چہ نیکی روشن ترین حق ہے تاہم ہمارے حواس اس کا سراغ نہیں لگا سکتے۔ یہ بے صورت ہے اور اِسکی لامحدود نیک صفات ہیں۔ نیکی کے برخلاف مظہر کوئی مخصوص ظہور یا عکس ہوتا ہے جس کی اپنی مخصوص صورت اور صفات ہوتی ہیں۔ کائنات میں پائی جانے والی ہر شیئے اور خود کائنات سب مظاہر ہیں۔ یہ مظاہر پیدا ہوتے اور مختلف اقسام کی تبدیلیوں میں سے گزر کر بالآخر فنا ہو جاتے ہیں۔ ہر مظہر کی صورت اور اِسکی صفات کا ایک دوسرے پر انحصار ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر لوہا ایک مظہر ہے۔ یہ ایک مخصوص صورت اور مخصوص صفات پر مشتمل ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ لوہا بھاری، سیاہ اور سخت ہے وغیرہ۔ تو بھاری پن، سیاہ پن اور سخت پن سب اِس کی مخصوص صفات ہیں۔ یہ صفات صورت سے علیحدہ موجود نہیں رہ سکتیں۔ دوسری طرف صورت بھی اپنی صفات سے علیحدہ موجود نہیں رہ سکتی۔

جب ہم اپنے ذہن میں کسی مظہر کی صفات ختم کریں گے تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ صفات ختم ہونے پر بذات خود صورت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ صورت کے متعلق اِسکی صفات کے ذریعے ہی سوچا جا سکتا ہے۔ صورت اپنے وجود کیلئے صفات کی اتنی ہی محتاج ہے جتنا صفات اپنے وجود کیلئے صورت کی۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی غنی (Independent) نہیں ۔ ان مظاہر کا منبع کیا ہے؟ یہ مخصوص صورتیں کہاں سے وجود میں آتی ہیں؟ کیا یہ ''اعلیٰ اِنتہائی ہمہ گیر حق'' نہیں جو ان تمام مظاہر کو ظاہر کرتا اور انہیں صورتیں عطا کرتا ہے؟ مظاہر اپنے وجود اور اپنی بقا کے لیے نیکی کے محتاج ہیں جبکہ نیکی بے نیاز ہے۔ اگر چہ نیکی ہمہ گیر (universal) ہے لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اس یا اس مظہر میں ہے۔ ایسا کیوں؟ حقائق الاشیاء کے مطابق مظاہر غیر حقیقی، فریب اور نیست ہیں۔ نیکی یعنی حقیقت یا ہست، غیر حقیقت یا نیست میں کیسے موجود ہو سکتی ہے؟ لا فانی اور لامحدود، فانی اور محدود صورتوں میں کیسے ڈھونڈا جا سکتا ہے؟ جب ہم کہتے ہیں کہ نیکی اِس یا اس مظہر میں نہیں ہے تو یہ بات اِسکی ہمہ گیریت (universality)، حاضر و ناضریت (Omnipresent) اور قادر مطلق (Omnipotent) ہونے پر کوئی اثر نہیں ڈالتی۔ بلاشبہ اعلیٰ انتہائی ہمہ گیر حق نے کل کائنات کو ظہور دیا ہے۔ ظہور کے عمل کے دوران نیکی اپنی ہستی کو الگ تھلگ (unmixed) اور بے نیاز (Independent) رکھتی ہے۔ پہلی نظر میں یہ بات بہت عجیب اور ناممکن لگتا ہے کہ وہ ہستی جو ظہور دیتی ہے، بذات خود الگ تھلگ اور بے نیاز کیسے رہ سکتی ہے؟ لیکن جب شعور (mind) فکر کے بلند ترین معیار پر پہنچتا ہے تو وہاں یہ بات نہ تو عجیب لگتی ہے اور نہ ہی ناممکن۔

مظاہر سراب کی طرح ہیں۔ صحرا میں سراب کو دیکھنے کے بعد ہم اسکے فریب ہونے کا تجربہ کر سکتے ہیں لیکن مظاہر کی فریب دہی کا تجربہ نہیں کیا جا سکتا۔ اِسکی وجہ یہ ہے کہ ہم صورتوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور ہوش و حواس میں ہم ان زنجیروں سے رہائی نہیں پا سکتے۔ لہٰذا مجرد عقل (unaided reason) کیلئے مظاہر کی حقیقت کا پتہ لگانا ممکن نہیں۔ جس نیکی یا اعلیٰ اِنتہائی ہمہ گیر حق کی میں بات کر رہا ہوں یہ علت اوّل ہی تو ہے۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ علت و معلول کے سلسلہ میں ہم کسی جگہ پر کیوں ٹھہریں؟ یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ ہماری محدود دنیا میں علت و معلول کا یہ سلسلہ لامحدود نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ یہ سلسلہ کسی نقطہ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ وہ نقطہ جہاں علت و معلول کا یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ کیا وہ علت اوّل نہیں ہے؟ کیا وہی اعلیٰ اِنتہائی ہمہ گیر حق نہیں ہے؟ کیا یہ وہی نیکی نہیں جس کو سقراط نے ''علم'' کہا تھا؟ ایک یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی شیئے علت اوّل ہے تو پھر یہ دنیا ہی علت اوّل ہے۔ اس اعتراض میں یہ زور دیا گیا ہے کہ دنیا (ظہور) اور علت اوّل (وہ جو ظہور دیتی ہے) دونوں ایک ہی ہیں۔ ایسی سوچ غلط اور غیر معقول ہے کیونکہ انسانی عقل اور روزمرہ کا انسانی تجربہ ایسے خیال کی تردید کرتا ہے۔ مثال کے طور پر مظاہر کی دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہائیڈروجن اور آکسیجن علل ہیں جبکہ برف، پانی، بھاپ، بادل، کہر اور جھاگ اِنکے معلول ہیں۔ کیا یہ علل اور معلول ایک ہی ہیں؟ اگر یہ ایک ہی ہیں تو ہم اِنکے بیان کرنے کیلئے مختلف نام کیوں استعمال کرتے ہیں؟ ہم اِن کیلئے مختلف نام استعمال کرتے ہیں کیونکہ یہ سب مختلف مظاہر ہیں۔ اور ہمارا ایسا کرنا بتاتا ہے کہ یہ سب ہائیڈروجن اور آکسیجن نہیں بلکہ اِنکے اظہار ہیں۔ مظہر کی تعریف کے مطابق یہ تمام مختلف قسم کے علل اور معلول ہیں جو سب محتاج، فریب، تغیر پذیر اور فانی ہیں۔ جب ان فانی مظاہر کو ایک قرار نہیں دیا جا سکتا تو ہم یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ علت

اوّل (نیکی یا خیر) جو بے نیاز، مستقل اور لا فانی ہے اور محتاج،تغیر پذیر اور فانی دنیا ایک ہی ہیں۔حیاتی (sensory) اور غیر حیاتی (non-sensory) مظاہر کے گہرے اثر کی بدولت علت اوّل کو ایک مکینیکل (mechanical) علت خیال کیا گیا ہے۔علت اوّل کا ایسا تصور بالکل غلط ہے کیونکہ نیکی کے چہرے اِسکی تردید کرتے ہیں۔کوئی مکینیکل علت ایک ہی وقت میں اوّل، آخر، ظاہر اور باطن نہیں ہوسکتی۔جبکہ نیکی (علت اوّل) ایک ہی وقت میں اوّل، آخر، ظاہر اور باطن ہے۔عام طور پر مابعد العنصر (post-elementary) مظاہر میں انسان، حیوانات اور نباتات کو زندہ خیال کیا جاتا ہے اور جمادات کو مردہ۔حالانکہ ایسا خیال بھی غلط ہے۔جمادات بھی زندہ ہیں لیکن ہم اِنکی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مابعد العنصر مظاہر کی تین (ٹھوس، مائع اور گیس) حالتیں ہیں۔یہ تصور بھی غلط ہے۔مادی مظاہر تین کی بجائے چار (ٹھوس، ٹھائع، مائع اور گیس) حالتوں میں پائے جاتے ہیں۔

نیکی کا پہلا چہرہ اوّل (The First) اولین کے علاوہ ایک اور مخفی معنی کی طرف بھی اِشارہ کرتا ہے اور وہ ہے عمل یا حرکت (motion) اور اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اوّل سے مراد دراصل ہر قسم کا عمل (action) بھی ہے۔اسی طرح نیکی کا دوسرا چہرہ آخر (The Last) آخری کے علاوہ ایک اور مخفی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ ہے غرض یا مقصد (object)۔دونوں عمل اور مقصد کو جدا نہیں کیا جاسکتا اور یہ دونوں ایک ہی سچ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔یہ دونوں چہرے مل کر نیکی کے ایک زمانی پہلو کا تصور دیتے ہیں جو نیک زماں یا زماں کہلاتا ہے۔کائنات میں جب مظاہر کے زمانی پہلوؤں کا مشاہدہ کیا جاتا اور تجزیہ کیا جاتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تمام اپنے غائی افعال (objective actions) سے پیدا ہوتے ہیں۔سچ تو یہ ہے کہ مظہری زمانے (phenominal times) نیکی کے زمانی پہلو کا عکس یا ظہور ہی تو ہیں۔نیکی کا تیسرا چہرہ ظاہر (The Manifest) صاف اور بین کی طرف اِشارہ کرتا ہے جبکہ چوتھا چہرہ باطن (The Latent) مخفی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اوّل اور آخر کی طرح یہ دونوں چہرے (ظاہر اور باطن) بھی نیکی کے ایک دوسرے پہلو کا تصور پیش کرتے ہیں جو کہ نیک مکاں یا مکاں کہلاتا ہے۔کائنات اور اس میں ہر قسم کے مادّی اور غیر مادّی مظاہر (phenominal spaces) نیکی کے مکانی پہلو کا ظہور یا عکس ہیں۔مزید برآں نیکی بذات خود لا محدود ہے اور اِسکی لا محدود نیک صفات ہیں۔مثال کے طور پر یہ علم ہے، حسن ہے۔لا فانی اور غیر متحرک محرک (unmoved mover) ہے۔اس کا کوئی آغاز اور انجام نہیں اور یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔سقراط کے بعد یونان کا ایک عظیم فاتح سکندر اعظم گزرا ہے۔یہ عظیم فاتح ارسطو کا شاگرد تھا اور اُسکی تمنا بھی یہی تھی کہ کاش وہ نیکی کی ماہیت کو جان سکتا۔وہ کہتا ہے۔

''باپ نے مجھے زندگی دی اور استاد نے مجھے جینے کا فن بتایا۔کیا ہی بہتر ہوتا اگر اقتدار میں وسعت کی بجائے میرے علم میں وسعت پیدا ہوتی اور میں نیکی کو پہچان سکتا۔'' (ارسطو (حیات و تعلیمات، فکر و فلسفہ) مصنف، شاہد مختار صفحہ ۱۲)

عقیدے کے لحاظ سے تو ہم سب یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے لیکن جب کوئی انسان میرا یہ نیکی کا تصور پڑھے گا تو وہ بلا شبہ ہر لحاظ سے یہ محسوس کرے گا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین پر اتر آیا ہے۔مزید تفصیل میری کتاب غلام مسیح الزماں کے دوسرے حصہ (الہامی پیشگوئی کی حقیقت) میں دیکھی جاسکتی ہے۔مصلح موعود کی روحانی یا علمی اور اِلہامی تصویر جو ایک صدی قبل حضرت مہدی و مسیح موعودؑ کو بتائی گئی تھی وہ یہ ہے۔

''وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا۔اور دل کا حلیم۔اور علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا۔اور وہ تین کو چار کرنیوالا ہوگا۔(اسکے معنی سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔فرزند دلبند گرامی ارجمند۔مَظْھَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ۔ مُظْھَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَآءِ کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔'' (مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۲)

اس الہامی تصویر سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مہدی و مسیح موعودؑ کو جس الہامی پیشگوئی کی خبر دی تھی اس میں بعض باتوں کی خبر دے دی اور بعض باتوں کو مخفی رکھا گیا۔یہ اس لئے ہوا تا کہ کوئی غیر متعلقہ شخص اس الہامی پیشگوئی سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے اور اِسے اپنے اوپر فٹ نہ کر سکے۔میرا لوگوں سے سوال ہے کہ موعود غلام مسیح الزماں کی یہ موعود روحانی، علمی اور الہامی تصویر کیا میرے وجود میں پوری نہیں ہوئی؟ کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ پیشگوئی مصلح موعود کے سلسلہ میں پوری جماعت کیسے بھٹک سکتی ہے اور ایک شخص یعنی یہ عاجز پوری جماعت کے مقابلہ میں کیسے سچا ہوسکتا ہے؟ خاکسار اس سوال کا جواب ایک مثال سے دیتا ہے۔

(۱) قرآن پاک آنحضرت ﷺ کے مبارک دل پر نازل ہوا تھا اور آپ ﷺ کا فہم قرآن بھی پوری امت سے زیادہ تھا۔اسی فہم قرآن کی روشنی میں آپ ﷺ نے اپنی امت کو ایک مہدی کی خبر دی۔آنحضرت ﷺ کے بعد اگر چہ مجددین بھی تشریف لاتے رہے مگر پھر بھی امت محمدیہ میں ختم نبوت اور حیات مسیح ایسے غلط عقائد پیدا ہوگئے۔اب سے ایک صدی قبل حضرت مرزا صاحبؑ تشریف لائے اور آپؑ نے ان غلط عقائد کا باطل ہونا ثابت کیا۔میں متذکرہ بالا اعتراض کرنے والے لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک صدی قبل ختم نبوت اور حیات مسیح جیسے عقائد کے معاملہ میں حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ میں پورا عالم اسلام غلطی پر ہوسکتا تھا تو پھر آج پیشگوئی مصلح موعود کے معاملہ میں اس عاجز کے مقابلہ میں پوری جماعت غلطی پر کیوں نہیں ہوسکتی؟ آج کل یہ کہہ کر بھی افراد جماعت کو گمراہ کیا جا رہا ہے کہ جو مصلح موعود تھے وہ آ گئے اور اب مصلح موعود کے موضوع پر

بات کرنا بھی گناہ ہے۔ میں جواباً عرض کرتا ہوں کہ آپ سب جانتے ہیں ایک صدی قبل حیات مسیح اور ختم نبوت جیسے عقائد متفقہ تھے اور ان پر سوچنا بھی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ تو پھر نعوذ باللہ حضرت مرزا صاحبؑ اور آپ سب نے وفات مسیح اور اجرائے نبوت ثابت کر کے کیوں گناہ کیے؟ لیکن اگر حیات مسیح اور ختم نبوت جیسے باطل عقائد پر غور کرنا اور ان کو باطل ثابت کر دینا گناہ نہیں تھا تو پھر آج خلیفہ ثانی کے جھوٹے دعویٰ مصلح موعود پر غور کرنا اور اسے جھٹلانا کیوں گناہ ہے؟ قرآن پاک میں تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی ذات پاک اور بابرکات پر بھی غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ تو پھر آپکے خود ساختہ مصلح موعود کی کیا حیثیت ہے اور اس کے جھوٹے دعویٰ مصلح موعود پر غور وفکر کرنا کیوں گناہ ہے؟

(۲) جس طرح امام مہدی کی پیشگوئی اس حقیقت کی غماز تھی کہ آنحضرت ﷺ کے بعد امت محمدیہ میں بعض غلط عقائد پیدا ہونگے جن کی اصلاح امام مہدیؑ نے فرمانی تھی۔ بالکل اسی طرح پیشگوئی مصلح موعود بھی اس حقیقت کی غماز تھی کہ حضرت مہدیؑ کے بعد جماعت احمدیہ میں بعض غلطیاں پیدا ہونگی جنکی اصلاح غلام مسیح الزماں نے کرنی تھی۔ بعض اوقات میں نے کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ اگر علمائے جماعت درج ذیل دو باتیں غلط ثابت کر دیں یعنی (۱) حضرت مہدی و مسیح موعودؑ کی نرینہ اولاد (یعنی تینوں جسمانی بیٹے) پیشگوئی مصلح موعود کے دائرہ میں نہیں آتی (۲) نیکی کا یہ ''اعلیٰ ترین تصور'' یعنی سلطان مبین پیشگوئی مصلح موعود کا الہامی، علمی اور قطعی ثبوت ہے۔

اگر علمائے جماعت متذکرہ بالا دونوں باتیں غلط ثابت کر دیں تو میں نہ صرف انہیں کثیر جرمانہ ادا کرونگا بلکہ اپنے دعویٰ سے بھی دستبردار ہو جاؤں گا۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کیا آپ (یعنی عاجز) کو اپنے دعویٰ میں کوئی شک ہے جو آپ ایسا کہتے ہیں۔؟ میں اس ضمن میں گذارش کرتا ہوں۔

(۱) مجھے اپنے دعویٰ میں قطعی طور پر کوئی شک نہیں۔ یہ ایک طریقہ گفتگو اور طرز کلام ہے۔ میں ایسا اس لیے کہتا ہوں تا لوگ بھاگ دوڑ کر کے میرے سوالات کو غلط ثابت کرنے کی کوشش تو کریں۔ اگر چہ مجھے پتہ ہے کہ آپ لوگ میرے سوالات کو قیامت تک غلط ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ حضرت مرزا صاحبؑ کے مبشر الہامات اور قرآن پاک میرے دعویٰ کے مصدق ہیں اور یہی ذرائع جماعت احمدیہ قادیان کے عقیدہ مصلح موعود کو جھٹلاتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے بندے انا پرست اور متکبر نہیں ہوا کرتے۔ اگر انہیں اپنی غلطی کا پتہ چل جائے تو وہ تخت کو بھی چھوڑ دیا کرتے ہیں اور اپنی غلطیوں پر اڑا نہیں کرتے۔ وہ سچے ہو کر بھی جھوٹوں کی طرح تذلل اختیار کرتے ہیں اور یہ تقویٰ کا انتہائی اعلیٰ معیار ہے جبکہ دنیادار اپنے کسی معمولی مفاد پر اپنے ایمان کو بھی بیچ دیتا ہے۔

(۳) جب میرے آقا حضرت مہدی و مسیح موعودؑ نے موعود مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تو اس وقت لوگوں نے کہا تھا کہ مسیح ابن مریم نے تو آسمان سے آنا ہے تو اس پر حضرت مرزا صاحب نے فرمایا تھا کہ آپ سب لوگ دعائیں کریں تا کہ آپکا خیالی مسیح ابن مریم جو زندہ بجسم عنصری آسمان پر گیا ہوا ہے زمین پر اتر آئے۔ اور جب وہ اتر آئے گا تو میرا دعویٰ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ جیسا کہ آپؑ فرماتے ہیں۔

''اور میں اس وقت اقرار صحیح شرعی کرتا ہوں کہ اگر حضرت مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب حیات مسیح علیہ السلام کی آیات صریحۃ الدلالت اور قطعیۃ الدلالت اور احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ سے ثابت کر دیں تو میں دوسرے دعویٰ مسیح موعود ہونے سے خود دستبردار ہو جاؤں گا اور مولوی صاحب کے سامنے توبہ کروں گا بلکہ اس مضمون کی کتابیں جلا دونگا۔''

(حیات طیبہ مؤلف حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم (سابق سوداگرمل) صفحہ ۹۶ حاشیہ)

اگر حضرت مرزا صاحب سچا ہونے کے باوجود اپنے دعویٰ کو حیات مسیح علیہ السلام کیساتھ مشروط کر سکتے ہیں تو پھر آپکا غلام اپنے دعویٰ کو اپنے متذکرہ بالا دونوں سوالات سے مشروط کیوں نہیں کر سکتا؟ مزید برآں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

''اب اگر ہمارے علماء کو اس حقیقت کے قبول کرنے اور ماننے میں کچھ تامل ہے تو غیروں کے بلانے کی کیا ضرورت۔ پہلے یہی ہمارے احباب جن میں سے بعض فاضل اور عالم بھی ہیں، آزمائش کر لیں اور صدق اور صبر سے کچھ مدت میری صحبت میں رہ کر حقیقت حال سے واقف ہو جائیں۔ پھر اگر یہ دعویٰ اس عاجز کا راستی سے معرا نکلے تو انہیں کے ہاتھ پر میں توبہ کر لونگا۔ ورنہ امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ انکے دلوں پر توبہ اور رجوع کا دروازہ کھول دے گا۔'' (مجموعہ اشتہارات جلد ۱ صفحہ ۱۸۶)

ان الفاظ میں حضرت مہدی و مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے کہ اگر میرا دعویٰ راستی سے معرا نکلے تو میں توبہ کر لونگا۔ میرا ایسے لوگوں سے سوال ہے کہ کیا حضورؑ کو اپنے دعویٰ میں کوئی شک تھا؟ میری عرض ہے کہ آپ کو اپنے دعویٰ میں کوئی شک نہیں تھا بلکہ یہ ایک طریقہ گفتگو اور طرز کلام ہے۔ اگر حضرت مہدی و مسیح موعودؑ ایسا فرما سکتے ہیں تو پھر آپؑ کا غلام ایسا کیوں نہیں کر سکتا؟ اب آخر میں حضورؑ کے الفاظ کیساتھ میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

''اسکے عجائبات قدرت اسی طرح پر ہمیشہ ظہور فرماتے ہیں کہ وہ غریبوں اور حقیروں کو عزت بخشتا ہے اور بڑے بڑے معززوں اور بلند مرتبہ لوگوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ بڑے بڑے علماء وفضلاء اُسکے آستانہ فیض سے بکلی بےنصیب اور محروم رہ جاتے ہیں اور ایک ذلیل حقیر امی جاہل نالائق منتخب ہو کر مقبولین کی جماعت میں داخل کر لیا جاتا ہے۔ ہمیشہ سے اِسکی کچھ ایسی ہی عادت ہے اور قدیم سے وہ ایسا ہی کرتا چلا آیا ہے۔ و ذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء۔'' (روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۱۴۱)

عبدالغفار جنبہ

۲۴/اپریل ۲۰۰۴ء

☆☆☆☆☆☆☆